رضیہ آپا

سجاد ظہیر کے، جنھیں لوگ پیار سے بنے بھائی کہتے تھے، اچانک رخصت ہوجانے کے بعد، رضیہ سجاد ظہیر جنھیں ان کی اور ان کے بعد کی نسلوں کے لوگ رضیہ آپا کے نام سے یاد کرتے ہیں، سخت تنہا ہوگئی تھیں۔ یوں تو اپنی پارٹی کی مصروفیتوں اور ادبی صحبتوں میں شرکت کے بعد بنے بھائی کے پاس اتنی فرصت کم ہی رہتی تھی کہ وہ رضیہ آپا کو خاطر خواہ وقت دے سکتے، لیکن پھر بھی اوّل تو بنے بھائی بیوی اور بچوں سے بے حد محبت کرتے تھے، دوئم ان کی مصروفیتوں کے باوجود گھر سے ان کا تعلق کبھی نہ ٹوٹتا تھا۔ اس لیے عمر کے آخری کچھ برس دونوں نے ایک دوسرے کی رفاقت میں گزارے اور اسی مقصد کے تحت رضیہ آپا لکھنؤ میں تدریس سے کنارا کش ہو کر دہلی آ گئی تھیں، لیکن پھر اچانک بنے بھائی کا انتقال ہوگیا اور اس دن سے رضیہ آپا خود کو بے حد تنہا محسوس کرنے لگی تھیں۔ اس شدید احساس سے ان کی بیٹی نجمہ اچھی طرح واقف تھیں، جو اِن دنوں اپنے شوہر کے ساتھ ہی لندن میں رہ رہی تھیں۔ چناں چہ انھوں نے لندن کو خیرباد کہہ کر جواہر لال نہرو یونی ورسٹی میں ملازمت اختیار کرلی اور وہیں رہنے لگیں۔ ان کی اور دوسری بچیوں کی موجودگی اور دل جوئی نے بظاہر تنہائی کو

دور ضرور کردیا تھا لیکن اپنے رفیق سے بچھڑ کر رضیہ آپا جو بنے بھائی اور ان کی ضروریات کے سارے بوجھ اٹھاتی تھیں، زندگی کو خاصی بے مقصد محسوس کرنے لگی تھیں اور یہ شدید احساس ہی دل کا روگ بن گیا اور شاید یہی جان لیوا ثابت ہوا۔

ان کی موت کی خبر ہم سب کو ''اچانک'' سی محسوس ہوئی، کیوں کہ غیر شعوری طور پر ہمیں یہ یقین سا ہو چلا تھا کہ وہ صدمے کی ابتدائی شدت جھیل چکی ہیں۔

پچھلے دنوں لندن میں یونس واسطی کے گھر پر ایک مختصر سی نشست منعقد ہوئی جس میں ساقی فاروقی، افتخار عارف، کراچی ٹیلی وژن کے ظہیر خان اور رضیہ آپا کی ایک شاگرد اور رشتے دار امیر زہرہ رضوی نے شرکت کی۔ اس محفل کی خصوصیت اس کا غیر رسمی انداز تھا۔ ساقی فاروقی نے جو رضیہ آپا سے متعدد بار مل چکے تھے، لندن میں بھی اور دہلی میں بھی، ایک واقعے کا ذکر کیا۔ جب وہ پچھلی بار دہلی گئے تھے تو ایک دن رضیہ آپا کے گھر مدعو تھے، جہاں جدیدیوں کے تنقید نگار آل انڈیا ریڈیو کے اردو سیکشن کے محمود ہاشمی بھی تھے۔ وہ ساقی کو اپنے ساتھ لے گئے تھے، رضیہ آپا نے ساقی سے کہا، ''ساقی! ان جدیدیوں کو ایسی سزا دینا، ایسی سزا دینا کہ یہ بھی یاد رکھیں۔''

افتخار عارف نے کہا کہ لکھنؤ میں رضیہ آپا سے اکثر مجلسوں میں ملاقات ہوئی تھی، جن میں وہ پورے خلوص کے ساتھ شریک ہوتی تھیں، جب کہ باہر وہ کمیونزم اور خدا کے وجود سے انکار کا پرچار کرتی تھیں اور یہ تضاد ان لوگوں کو خاصا کھلتا تھا جو انھیں ترقی پسند خیالات کی علامت سمجھتے تھے۔ دوسری بات جس کا ذکر افتخار نے خاص طور پر کیا وہ رضیہ آپا کی اولادوں کو دی جانے والی غیر روایتی آزادیاں تھیں جو ان کے خاندان کی صدیوں کی روایات کے پیشِ نظر لوگوں کو کھلتی تھیں۔ پھر یا تو ایک جانب شادی بیاہ میں سیّد ہونے پر ہی نہیں سیّد الطرفین ہونے پر اتنا زور دیا جاتا تھا کہ نجمہ کی شادی کے وقت علی باقر کے سارے خاندان کو پرکھا گیا یا پھر ان کی بیٹیوں نے غیر مسلموں سے شادیاں کرلیں وغیرہ۔

اس کے بعد امیر زہرہ (جو اب بیگم رضوی ہیں) نے اپنی ان یادوں کو زبان

دی جو اس دور سے تعلق رکھتی تھیں جب وہ شاگرد اور رضیہ آپا استاد تھیں۔ کرامت حسین گرلز کالج لکھنؤ میں ان کے ذہن میں رضیہ آپا کے متعلق دو تاثرات بہت ہی گہرے تھے۔ ایک تو ترقی پسند کی علامت کے طور پر ان کی ذات اور دوسرے ان کی شخصی جاذبیت اور کشش۔ پہلے تاثر کا ذکر انھوں نے یوں کیا،'' اس تحریک کے پیچھے جو ایک ایڈونچر تھا، مراحل، جدوجہد اور کامیابیوں کی ایک لمبی داستان بڑی ہی رومانی معلوم ہوتی تھی۔کس طرح ان دونوں میاں بیوی نے زندگی کا سارا آرام، ساری آسائش چھوڑ کر کٹھن اور دشوار گزار راہوں کو اختیار کیا تھا۔ بڑے دل گردے کی بات تھی۔ سدھارتھ کی وہ کہانی یاد آجاتی تھی، جو اپنا سارا راج پاٹ چھوڑ کر یزداں اور مکتی کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے تھے۔

اور پھر خود رضیہ آپا کی ذاتی کشش کا تاثر، اور موسلا دھار پانی برس رہا ہے۔ رضیہ آپا مہندی لگائے لال لال ہاتھوں میں ہری چوڑیاں پہنے اور پان کھائے، چندری کی ساڑی پہنے، شوقِ مجسم لگ رہی تھیں۔ کہتی تھیں کہ ''مہندی اور چوڑیاں مجھے بہت عزیز ہیں، کیوں کہ یہ سہاگ کی نشانیاں ہیں۔''

اور بقول امیر زہرہ کے انھیں سہاگ کی نشانیاں بہت عزیز تھیں، اسی لیے جب سہاگ لٹ گیا تو وہ خود بھی اجڑ گئیں، ویران ہوگئیں اور جو زندگی اب انھیں بالکل خالی اور بے مقصد نظر آرہی تھی، اس سے انھوں نے ناتا توڑ لیا تاکہ اپنے سہاگ، اپنے محبوب کے پاس پہنچ جائیں۔